بدلتی دنیا کے تقاضے اور فکرِ اقبال

ارم صبا

03217681707

irumsaba1122@gmail.com

وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون سائنس اور ٹیکنالوجی اسلام آباد پاکستان

Abstract:

Dr Allama Muhammad Iqbal is considred one of the most important figures in Urdu literature with literary work in both Urdu and Persian.He is also highly acclaimed Muslim philosophical thinker of modern times.Along with his Urdu and persian poetry,his Urdu and English lectures and letters have been very influential in cultural,social,religious and political disputes.Iqbal,s famous lectures on different aspects of islamic philosophy ,which he delivered at Madraas and Aligarh,brought a revolution in the thinking of muslims.Iqbal quoted as Poet of East by academics and institutions and media.Iqbal is not only the poet of East,actually he is a universal poet.Iqbal is not restructed to any specific segment of the world community but he is for the entire humanity .

ڈاکٹرعلامہ محمد اقبال بیسویں صدی کا ایک ایساعظیم مفکراور فلسفی شاعر ہے جس نے مشرق و مغرب دونوں کو فلسفے کے گہرے مطالعے،انسانی عظمت کے جذبات اور فکری و فنی بصیرت کی مدد سے یکساں طور پر متاثر کیا ہے۔اقبال کے فکر اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو ان کی شاعری کے موضوعات تخلیقی،جمالیاتی اور فکری و فنی اعتبار سے اپنے اندر بے پناہ وسعت اور گہرائی رکھتے ہیں۔ان کی شاعری میں کئی جہان آباد ہیں۔ان کی شاعری کے مطالعے سے ہر بار نئے تصورات اور امکانات آشکارہوتے ہیں۔ان کے ہاں شعر اور فکر گھل مل کو ایک ہو جاتے ہیں۔اقبال کی شاعری ملتِ اسلامیہ کے لیے حیاتِ نو کا درجہ رکھتی ہے جو ذہن کو بالیدگی اور دلوں کو قوت عطا کرتی ہے۔قرآنِ حکیم کا بنیادی موضوع انسان ہے۔اقبال کی شاعری کا بنیادی موضوع بھی انسان ہے۔اقبال علوم کے گہرے مطالعے کے بعد یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ یہ خاکی جو اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے قوتِ عشق،قوتِ عمل اور خود شناسی کے ذریعے کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔اقبال شاعرِ فردا ہے اور شاعرِ فردا وہ ہوتا ہے جو آئندہ کے افکار کی سمت نمائی کرتا ہے اور اقبال کے ہاں یہ سمت نمائی موجود ہے۔اقبال کی فکر پر اسلامی فکر اور فلسفہ کے گہرے اثرات ہیں۔بقول غلام رسول ملک:

ان کا فکر قرآنی فکر ہے اور ان کی نظر قرآنی نظر ہے اور جب وہ اپنے نتائج فکر و نظر کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں توغیر ارادی طور پر قرآنی اسلوب و آہنگ کی شان نمودار ہوتی ہے۔(۱)

اقبال نے اردو نظم کو نئے موضوعات کے ساتھ ساتھ ایک نیا معنوی اور لفظیاتی نظام بھی دیا۔اقبال کی شاعری کا سب سے بڑا وصف تازہ کاری میں پنہاں ہے۔ان کا فکر اسلامی ہے۔ایک آئیڈیل معاشرے کے قیام کے لیے اقبال جو تصویر پیں کرتے ہیں اس میں اسلامی رنگ بھرتے ہیں۔ان کے فکر کی اساس زمینی بھی ہے اور ماورائی بھی،تصوری بھی ہے اور ان معنوںمیں عملی بھی کہ اس پر عمل ہو سکتا ہے۔(۲)اقبال کی شاعری اپنے عہد کے سیاق میں ایک بلند آدرش کی نقیب تھی۔اقبال کے افکار و نظریات آج اکیسویں صدی میں جب شام و فلسطین کے حالات مایوس کن حد تک خراب ہو چکے ہیں ،جب مسلمان امریکہ کے دستِ نگر بن چکے ہیں اور جب مٹھی بھر یہود پوری دنیا کی معاشیات پر چھا چکے ہیںبھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میںتھے۔اقبال کی مدبرانہ نظر اور ان کی شاعری دونوں آج بھی ہمارے عہد کے لیے اتنی ہی کار آمد ہے جتنی آج سے قریبا پون صدی پہلے تھی۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ کوئی بھی فن پارہ جو انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرے اور اسے خیر کے ذریعے ارتقاء کی طرف لے جائے،وہ زمان و مکان کی حدود کو توڑ کر تمام امتیازات سے بالاتر ہو کر دوامی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اقبال کا فن اور اس کا فکر زمان و مکان کی حدود کو توڑ کر دوامی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

اقبال نے بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں کی شرح پیش کر کے اس ابدی دستور کے معارف روشن کیے جس کا نام اسلام ہے۔اقبال کے ہاں فطرت پرستی کے میلان کے ساتھ ساتھ بیسویں

صدی کے فرد کا المیہ بھی بیان کیا گیا ہے۔اقبال نے فرد کو معاشرے،بندے کو خدا اور زمین کو آسمان کے روبرو لا کھڑا کیا ہے۔اقبال کے فلسفوں کی تہہ میں روحِ عصر کی کارفرمائی سے انکار ممکن نہیں۔اقبال کا مرکزی کردار بیسویں صدی کا انسان ہے جو اپنی ہستی کا راز دریافت کرنے سے قاصر ہے۔یہ انسان فطرت کے ان اسراروں تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہے جو ازل سے اسے دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔اقبال کا مخاطب شعور کا جام آتشیں پی کر کائنات کو اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر تسخیر کرنے نکلا ہے۔

اکیسویں صدی کا فرد بھی اپنی ہستی کا راز دریافت کرنے نکلا ہے۔اس عالمی صارفی معاشرے میں وہ اپنی شناخت کھو چکا ہے۔یہ فرد ذہنی،فکری اور روحانی انتشار کا شکار ہے۔یہ فرد اپنی عزتِ نفس اور خود مختاریت کو ڈالروں اور قرضوں کے عوض بیچ چکا ہے۔نائن الیون کے بعد کی صورتِ حال نے اسے عدم تحفظ کا شکار کر دیا ہے۔وہ ایک وجودی کرب میں مبتلا ہے۔اکیسویں صدی کا انسان اپنی پہچان کھوتا جا رہا ہے۔ماڈرن ،جدید ہونے کے چکر میں وہ جدید کلچر کی اصل روح یعنی عقلی استدلال اور تجربی طریق تحقیق سے بدگمان ہے اور یہ بدگمانی نا آسودگی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔نئی صدی اپنے جلو میں بے شمار سیاسی،معاشرتی ،تعلیمی،تہذیبی اور ثقافتی مسائل لے کر آئی ہے اور آج کا نوجوان فکری بحران کا شکار ہے۔عصرِ حاضر کا نوجوان تشکیک،تذبذب ،بے یقینی اور قنوطیت کا شکار ہے۔جس ذہنی کیفیت اور اذیت سے آج کا انسان دو چار ہے اقبال اس سے باخبر تھے کیوں کہ اس کی ابتدا ان کے عصر میں ہو چکی تھی۔ان کی دور بین نگاہیں دیکھ چکی تھیں کہ اس کی انتہا کیا ہو گی۔اقبال نے اس کا ازالہ کرنے کے لیے اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید کے موضوع پر بصیرت افروز خطبات دیے۔ان خطبات میں مذہب اور سائنس پر بحث کی گئی ہے اوراقبال نے ان خطبات میں علمی،تہذیبی ،سیاسی اور معاشی مسائل کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اقبال کے پیشِ نظر اوائل صدی کا ہندوستان اور اس میں بسنے والے مسلمان تھے۔اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے انحطاط کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کشمکشِ حیات سے منہ موڑ لیا تھا۔قرآنی تعلیمات سے روگردانی اور یونانی فلسفے کے اثرات نے انہیں تسخیرِعالم سے بیگانہ کر دیا تھا۔مسلمان مقابلے کی طاقت گنوا چکے تھے۔ان حالات میں اسلام کی نشاطِ ثانیہ کی ضرورت تھی۔آج اکیسویں صدی کے انسان کو بھی کم و بیش اسی قسم کے مسائل کا سامنا ہے۔

اقبال جب خودی کا فلسفہ بیان کرتے ہیں تو اس بات کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے کہ خودی ایک ایسی چیز ہے جس کی ہندوستان میں اس وقت اشد ضرورت تھی اور مجموعی نقطہ نگاہ سے اسلامی دنیا میں اس کی ضرورت تھی۔مسلمان غیر ملکی نظام کے والہ و شیدا دکھائی دیتے تھے ان حالات میں از حد ضروری تھا کہ ان کو اپنے اصل کی طرف لوٹنے میں مدد دی جائے یعنی اسلامی اقدار اور نظامِ حیات کی طرف۔انہی حالات میں اقبال خودی کا فلسفہ پیش کرتے ہیں۔اقبال یہ ہر گز نہیں کہتے کہ دوسری ثقافتوں کے دروازے خود پر بند کر دیے جائیں وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ایک تنِ زندہ کی طرح مسلمان صرف بدیسی ثقافتوں میں سے ان عناصر کو اپنائیں جو ان کے لیے مفید ہوں۔اقبال دیکھ رہے تھے کہ طویل عرصے سے مسلمانوں پر جمود طاری ہے جب کہ یورپ حرکت و عمل کی بدولت ترقی کے زینے طے کر رہا ہے۔عالمِ اسلام کے خلاف مغرب کی طرف سے بنائی گئی سازشوں سے اقبال آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ یورپی ممالک اس تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اسلامی ممالک اور بالخصوص عرب ممالک سے قدرتی وسائل حاصل کر کے مغربیت کے تسلط کو برقرار رکھا جائے۔آج فکرِ اقبال کے تناظر میں دیکھا جائے تو مسلم امہ کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ مغرب ان پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا ہے۔مسلمان ممالک آج مغرب کے توسیع پسندانہ عزائم کا شکار ہیں۔

اقبال اسلامی فکر کی طویل زنجیر کی عہدِ حاضر کی کڑیوں میں سے نہایت اہم کڑی ہیں۔(۳) اقبال کی ذات میں مذہب ،فلسفہ،سائنس کا اجتماع موجود ہے۔ان تینوں کی تشریح و توضیح اقبال قرآن کی روشنی میں کرتے ہیں۔اقبال قرآن کو مسلمانوں کے تمام مسائل کا واحد تجویز کرتے ہیں۔وہ مغربی فکر کے پس منظر اور اس کی اساس کی خوبیوں اور خامیوں دونوں سے واقف تھے۔اقبال جانتے تھے کہ مغربی علوم و فنون کے سوتے اسلام ہی سے پھوٹتے ہیں المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور ذلت کا شکار ہیں۔مغربی دنیا اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر ہی تھی اور نئے ذہن اس سے متاثر دکھائی دیتے تھے۔اقبال نے اپنے فکر اور فلسفے کے ذریعے ثابت کیا کہ اسلام ایک جدید مذہب ہے اور ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہے۔آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں صدارتی خطبے میں اقبال فرماتے ہیں:

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیبوں کے تمام عمدہ اصولوں کا سر چشمہ ہے۔پندرھویں صدی میں ،جب سے کہ یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا،یورپ میں علم کا چرچامسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔ان یونیورسٹیوں میں مختلف ممالک یورپ کے طلبہ آ کر تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے اپنے حلقوں میں علوم و فنون کی اشاعت کرتے تھے۔کسی یورپین کا یہ کہنا کہ "اسلام اورعلوم یک جا نہیں ہو سکتے"سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے اور مجھے تعجب ہے کہ علومِ اسلام اور تاریخ اسلام کے موجود ہونے کے باوجودکوئی شخص کیوں کر یہ کہہ سکتا ہے کہ علوم اور اسلام ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔۔۔غرض یہ کہ وہ تمام اصول جن پرعلومِ جدیدہ کی بنیاد ہے،مسلمانوں کے فیض کا نتیجہ ہے بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ نہ صرف علومِ جدیدہ کے لحاظ سے بلکہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور اچھا پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلام نے بے انتہا روح پرور اثر نہ ڈالا ہو۔"(۴)

اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطن سے والہانہ محبت کا اظہار ہے بعد ازاں وطنیت کے اس جذبے پر قومیت کا جذبہ اور محبت غالب آ جاتی ہے۔اقبال وطن پرستی کے سیاسی نعرے کے خلاف ہیں وہ وطن اور حب الوطنی کے فطری تصور اور اس سے پھوٹنے والے فطری جذبات و احساسات کی نفی نہیں کرتے ۔اقبال اپنے نظریہ وطنیت کے متعلق لکھتے ہیں:

۔"میں نظریہ وطنیت کی تردید اس وقت سے کر رہا ہوں جب دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا چرچا نہیں تھا۔مجھ کو یورپی مصنفوں کی تحریروں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ کے ملوکانہاغراض اس امر کے متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی حربہ نہیں کہ اسلا می ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے"(۵)

اقبال کے اس بیان کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج اکیسویں صدی میں اس امر کی اور اقبال کی اس فکر کو سمجھنے اور اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔نائن الیون کے بعد پوری دنیا کے سیاسی حالات تیزی سے بدلے ہیں۔مغربی ممالک اعلانیہ مشرق کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کر چکے ہیں۔مغربی نو آبادیاں اور سامراج نئے لباس اور نئے ناموں کے ساتھ پھر سے ظاہر ہونے لگی ہیں۔مغربی تہذیب کی قیادت امریکہ کے ہاتھ ہے جس نے کھلم کھلا کئی مسلم ممالک کی خود مختاری پر حملہ کر کے اس کی آزادی صلب لی ہے۔۔ایسی صورت میں مسلم امہ کے اتحاد کی ضرورت ہے۔اقبال بیسویں صدی کے جن حالات پر مضطرب تھے آج کم و بیش انہی حالات سے مسلم امہ دوچار ہے۔بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں یہودی ریاست کے قیام کے لیے کوششیں کی جا رہی تھیں ان کوششوں کے نتیجے میں ۱۴مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔اسرائیل کا قیام کیسے عمل میں آیا اس بات سے کون واقف نہیں۔مسلمان آج بھی مغربی سامراج کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔آج بھی مسلم نوجوان مغربی تہذیب سے متاثر دکھائی دیتا ہے۔اقبال جس مسلم نوجوان سے مخاطب تھے آج کا نوجوان بھی وہی نوجوان ہے جسے اقبال کے کلام سے فیض حاصل کرنا ہے،جسے اقبال کی فکر کو اپنا کر دنیا میں سرخرو ہونا ہے۔مسلم امہ کو اقبال کی فکر اور فلسفے کو سمجھنے کی آج اتنی ہی ضرورت ہے جتنی بیسویں صدی کے اوائل میں تھی۔مسلما نوں کو اس وقت اقوام بن کر نہیں ملت بن کو میدانِ عمل میں آنے کی ضرورت ہے۔اقبال نے وطن سے محبت کو سیاسی قومیت کی صورت دینے سے اجتناب کیا ہے کیوں کہ اس کے نتیجے میں بنی نوعِ انسان خطوں اور علاقوں میں تقسیم ہو کر اپنی برتری کے لیے ایک دوسرے سے بر سرِ پیکار ہیں۔نظم "وطنیت"میں اقبال اس تصور کی خامیوں سے آگاہ کرتے ہیں:

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے(۶)

اقبال ملت کا تصور پیش کرتے ہیں ملتِ اسلامیہ کا تصور۔اقبال کا کہنا ہے"ملت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔گویا ملت یا امت جاذب ہے اقوام کی خود ان میں جذب نہیں ہوتی۔اقبال ہیت اجتماعیہ اسلامیہ قائم کرنے کے لیے دنیا کے تمام مسلمان ملکوں کوایک لڑی میں پرونے کے خواہش مند ہیں۔اقبال کے نظامِ فکر میں اسلامی قومیت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال کی فکر اور نقطہ نظر قومیت کی کس قدر ضرورت ہے۔مسلم امہ کی بقا کی آج ایک ہی صورت دکھائی دیتی ہے کہ وہ

ایک موبوط ملت کی صورت میں منظم ہو جائیں۔مسلمانوں کے ربط و ضبط میں ہی ان کی فلاح ممکن ہے۔

اقبال کی شاعری ان کے عصر کی شاعری ہے جو ایک مخصوص تہذیبی اور ثقافتی تناظر میں اپنے عہد کے تمام مدو جزر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔عالمی ادب اور فلسفے پر اقبال کا گہرا مطالعہ تھا لیکن اقبال کی شاعری میں فکر و فن کی آمیزش سے جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ہماری روایات سے متصادم نہیں ہوتی بلکہ ہماری تہذیب و ثقافت سے ہم آہنگ ہے۔اپنی تہذیب کو اجاگر کرنے کے لیے بنائے گئے حسی پیکر اگرچہ بیسویں صدی میں تخلیق کیے گئے ہیں لیکن اکیسویں صدی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال آج کے فرد کی بات کرتے ہیں۔آج کے معاشرے کا ذکر کرتے ہیں۔خلیجی جنگ کے بعد امریکہ باضابطہ طور پر گلوبلائزیشن کا اعلان کرتا ہے۔گلوبلائزیشن دنیا کو سیکولر اور مادی نقطہ نگاہ سے دیکھتی ہے اس لیے اس نئے نظام کا حصہ بننا گویا سیکولرازم اور مادیت کو بطور''معبود۔''تسلیم کرنا ہے۔(۷)۔مغربی ممالک کا واحد مقصد بیسویں صدی میں بھی یہی تھا اور آج بھی کہ کسی طرح مشرق کو اپنے ماضی اور مذہب سے الگ کر کے مغربی تہذیب کو اپنانے کے لیے تیار کیا جائے تا کہ مغرب کی بالا دستی قائم رہ سکے۔اقبال نے نہ صرف مغرب اور اس کی فکر کا مطالعہ کیا بلکہ مغرب پر جرأت مندانہ تنقید بھی کی۔

جدید مغربی نظامِ زندگی کا مطالعہ اور اس زندگی کے کھوکھلے پن کا احساس،یورپی اقوام کی باہمی آویزش،اسلامی فلسفہ حیات اور نظامِ زندگی کا مطالعہ،قرآنی تعلیمات پر غور و فکر و تدبر،ہندوستان کے سیاسی حالات،مغربی مصنفین کی تحریروں کا مطالعہ،تاریخِ عالم کا گہرا مطالعہ یہ تمام عوامل ایسے تھے کہ ان پر غور و فکر کے بعد اقبال پر وطنی قومیت کی تباہ کاریاں عیاں ہو چکی تھیں۔لہٰذا اب اقبال ہمارے سامنے اسلامی قومیت کے علم بردار بن کر آتے ہیں۔اکیسویں صدی کے حالات کا بغور جائزہ لیاجائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آج بھی اقبال کے اسلامی قومیت کے نعرے کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی بیسویں صدی کے میں تھی۔

اقبال ایک عہد آفرین شاعر تھاجس نے اپنی شاعرانہ بلند پروازی میں مفکرانہ اور فلسفیانہ اسالیب کی آمیزش خوب صورتی اور مہارت سے کی۔اقبال اپنی شاعری اور نثری مضامین میں برصغیر کی سیاسی غلامی ا ور عالمِ اسلام کے تنزل پر مضطرب دکھائی دیتے ہیں۔انہوں نے ہمیشہ وطن کی آزادی کا خواب دیکھا اور دکھایا ہے ۔اقبال نے شاعری سے جو کام لیا دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ان کی شاعری ملت کے لیے حیاتِ نو کا درجہ رکھتی ہے جو دلوں کو تقویت اوذہنوں کو رفعت عطا کرتی ہے۔اقبال کا زمانہ تہذیبی بحران کا زمانہ تھا۔پرانی اقدار کو شک کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔اقبال کے عہد کا معاشرہ غلامی،جہالت اور فرسودہ رسم و رواج میں پھنسا ہوا تھا۔اقبال اس پسماندہ معاشرے کی تجدید کے خواہاں تھے۔اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے انسانی ذہن کو جھنجھوڑنے ،اس کی خودی کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

اکیسویں صدی موجودہ عہد میں بھی اقبال کے کلام و تعلیمات کی ضرورت اتنی ہی شدت سے ہے کیوں کہ اکیسویں صدی بھی تہذیبی بحران کی صدی ہے۔اکیسویں صدی کا انسان پرانی اقدار کو رد کر چکا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسی صورتِ حال میں اقبال کی فکر اکیسویں صدی بدلتی دنیا کے تقاضوں کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ ہوتی ہے۔سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس صدی میں اقبال کی فکر و تصورات کی مدد سے نئے در وا کیے جا سکتے ہیں۔کائنات کے تخلیقی ارتقا کا تصور ہو ،یا میکانیاتی تصورِ کائنات یاجدید حیاتیاتی سائنس کا ذکرآئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کی پر بحث چلے یا میکس پلانک کے کوانٹم کے نظریے پر،روشنی ،حرارت اور حرکت کے تصورات ہوں یا ہائزن برگ کے نظریہ عدم تعین پر گفتگو چلے،قانونِ شماریات ہو یا قانونِ اوسط،قوانینِ بقا ہوں یا قوانینِ استقلالِ مادہ، ریاضیاتی تصورات ہوں یا حیاتیاتی،فرائیڈ،ینگ کے نظریات ہوں یا شعوریاتِ داخلی پر بات ہویا تشاکلی نفسیات کا ذکر ہو اقبال کے فکر اور فلسفہ کی روشنی میں ان تمام موضوعات کو ُاکیسویں صدی میں نئے سرے سے پرکھنے اور عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔

فکرِ اقبال اصلاحی فکر ہے۔اقبال نے شعر و ادب میں جو فکر پیش کی ہے وہ آفاقی ہے۔اقبال کی فکر و فلسفہ اور شاعری زمین کے کسی ایک حصے یا کسی مخصوص ٹکڑے تک محدود نہیں تھی بلکہ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر تک پھیلی تھی۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نئے نظریات اور تحریکات کی روشنی میں فکرِ اقبال کا ازسرِ نو مطالعہ کیا جائے۔حکیم الامت کے افکار کو علمی انداز میں مرتب کر کے نوجوان نسل کے لیے پیش کیا جائے اس سے اقبال کی روح زیبا تر اور جدید تر پیکر میں متشکل ہو گی اور ثابت ہو سکے گا کہ قرآنی اور اسلامی حکمت کے مکتب کا یہ دانش یافتہ اقبال،ان راہوں

کی بھی نشاندہی کر گیا ہے جن تک مغرب کے حکماء اب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔(۸)

آج مغربی تہذیب ایک عالمی تہذیب بن چکی ہے۔دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم خود مغربی تہذیب کا حصہ بن چکے ہیں۔ہماری سوچ،ہماری معاشرت،ہماری تعلیم کسی نہ کسی طور مغرب سے متاثر ہے۔ایک طرف تو ہم مغرب کی برائیاں کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کے انداز اپنائے ہوئے ہیں۔کیا ہمارے پاس اس مسئلے کا کوئی حل موجود ہے؟اقبال نے اپنے خطبات میں ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جو آج بھی مسلم امہ کو درپیش ہیں۔اقبال کی فکر میں ایسے توانا عناصر موجود ہیں جو اکیسویں صدی میں بھی قوم کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

اقبال ایک ایسے دور میں زندہ تھے جب مسلم امہ زوال کا شکار تھی اور مسلمانوں پر جمود طاری تھا،انہیں اپنے حال کی کچھ خبر نہ تھی اور نہ ملک و ملت کی کچھ پروا تھی۔روحانی، اخلاق اور سیاسی اعتبار سے مسلمان اپنا وقار کھو چکے تھے۔۔اقبال نے قرآن اور اسکی روح سے مسلمانوں کے تن مردہ میں روح پھونکنے کی کوشش کی ہے اور انہیں زندہ قوم بنانے کے لیے اپنی فکر کی جولانیوں اور خیالات کی بلندی سے پیغامبری کے فرائض سر انجام دیے ہیں۔اقبال اپنے عصر کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں :

”افسوس ہے کہ مسلمان مردہ ہو چکے ہیں۔انحطاطِ ملی نے ان کے تمام قوی کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربیتصور کرنے لگتا ہے یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔(۹)

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اقبال کی فکر آج کے عصر کی آئینہ دار بھی ہے۔۔اقبال نے اپنے عہد کے سیاسی ،سماجی،معاشی،تعلیمی اور مذہبی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیا اوراپنی ذہانت و ذکاوت سے ایک ایسا نظامِ فکر ترتیب دیا جو نہ صرف ان کے عہد کے متعدد مسائل کا حل تجویز کرتا ہے بلکہ آج کے مسائل اور ان مسائل کے تناظر میں فکرِ اقبال کو دیکھا،پرکھا جائے تواس بات سے آگاہی ہوتی ہے کہ اقبال کی فکر کی تازہ کاری سے آج بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ ،شاعری و نثر میں جن دائمی صداقتوں کا ذکر کیا ہے وہ وحدتِ اسلامی کی ضامن ہیں۔آج مسلمان اپنے مسائل کے حل کے لیے امریکی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ مغرب کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے امتِ مسلمہ یک جا ہو جائے۔اقبال مسلمانوں کی فلاح کے لیے اسلامی نظامِ حیات کو ضروری خیال کرتے ہیں۔یہی وہ راستہ ہے کہ جس پر چل کر امتِ مسلمہ آج بھی طبعی اور بین الاقوامی حالات میں توافق اور تطابق قائم کر سکتی ہے جس پر انسان کی بقا کا انحصار ہے۔اقبال کے فکر کی معنویت میں اتنے برس گزر جانے کے باوجود متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ان کا فکرآج بھی ہمارے ذہنوں کی تازگی میں معاون ہے۔فکرِ اقبال کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اپنی ذات میںالوہی صفات تحلیل کر کے اپنی غیر معمولی صلاحیتوںکو نوعِ انسانی کی خیر اور فلاح کے لیے بروئے کار لائے اور زمین پر نیابتِ الٰہی کا فریضہ سر انجام دے۔ظاہر ہے کہ ایسے آفاقی پیغام کی اہمیت اور قدر و قیمت زمانے کی رفتار کے ساتھ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔(۱۰)

آج جب کہ امتِ مسلمہ ایک نئی چنگیزیت سے دوچار ہے۔مسلم ممالک مقتل کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔آج کے سیاق میں تفکر کے ساتھ توجہ دیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کا فکر آج ہی کے دور کے لیے ہے۔اقبال کی بصیرت آج ہی کی صورتِ حال کو بے پردہ دیکھ رہی تھی۔۔اقبال قصہ داراو سکندر کا نہیں دہرا رہے بلکہ حکایتِ مہر و وفا کو اس تابندہ اور شگفتہ رنگ میں پیش کر رہے ہیں کہ خاص و عام کے لئے جاذب توجہ اور محرک وجدان ہو اور ہر قلب تمنائے لم یزل سے مرتعش اور مضطرب ہو جائے۔(۱۱)۔اقبال کے افکار پر عمل کرنے کی آج از حد ضرورت ہے اسی صورت میں ہم انتشار سے گلو خلاصی حاصل کر سکتے ہیں۔اقبال کا فلسفہ خودی نئے دور کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔۔اقبال کی فکر کے سوتے قرآن کے سرچشمے سے سیراب ہوتے ہیں،یہ ایک بنیادی سبب ہے کہ اقبال کا فکر نہ صرف عصرجدید سے ہم آہنگ ہے بلکہ آنے والے وقتوں کے لیے بھی گہری معنویت کا حامل ہے(۱۲)

حوالہ جات

۱۔غلام رسول ملک،سرودِ سحر آفریں،اقبال اکادمی پاکستان ،۲۰۰۷ء ،ص۱۴۴

۲۔رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،(مرتب)علامہ اقبال :مسائل و مباحث،اقبال اکادمی پاکستان،سن ندادر،ص۲۲۲

۳۔سمیع اللہ قریشی،موضوعاتِ فکرِ اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۶ئ،ص۸۰

۴۔نذیر نیازی ،سید،اقبال کے حضور(نشستیں اور گفتگوئیں)،اقبال اکادمی لاہور،۱۹۸۱ئ، ص۳۷۴

۵۔غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اقبال ایک مطالعہ،اقبال اکادمی لاہور،۱۹۸۷ئ،ص۱۷۰۔۱۷۱

۶۔محمد اقبال ،علامہ،ڈاکٹر،کلیاتِ اقبال،الحمرا پبلیشنگ اسلام آباد،۲۰۰۰ئ،ص۲۲۷

۷۔معید امظفر،تہذیبی تصادم اورفکرِ اقبال، اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سری نگر،۲۰۰۴ئ،ص۸۶

۸۔رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،(مرتب)علامہ اقبال :مسائل و مباحث،ص۲۲۹

۹۔شیخ عطا اللہ(مرتب)اقبال نامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال)خط بنام سراج الدین پال،ناشر شیخ محمد اشرف،لاہور،سن ندارد،ص۳۴۔۳۵

۱۰۔اقبال ریویو،اقبال اکیدمی حیدر آباد ،انڈیا،نومبر ۲۰۱۱ئ،ص۲۰

۱۱۔اقبال ریویو(خصوصی اشاعت پروفیسر صلاح الدین کے مضامین)اقبال اکیڈمی حیدر آباد ،انڈیا،۲۰۱۵ئ،ص۹۵

۱۲۔اقبال ریویو،اقبال اکیدمی حیدر آباد ،انڈیا،نومبر ۲۰۱۱ئ،ص۲۰